میر گل خان نصیر بطور محقق: ایک جائزہ

Mir Gul Khan Naseer as Researcher: An Overview

Dr. Zahid Hussain Dashti

Lecturer, Department of Balochi, University of Baluchistan, Quetta

Dr. Shazia Jafar

Assistant Prof, Pakistan Study Center, University of Baluchistan, Quetta

Durdana

Assistant Professor, (History) Govt. Girls Degree College, Satellite Town, Quetta

Abstract:

This article provides a comprehensive overview of the life and contributions of Mir Gul Khan Naseer, a prominent figure in Balochi literature, research, and history. Mir Gul Khan Naseer, born in 1914, is widely recognized as a prolific poet, writer, and scholar of the Balochi language, as well as a passionate advocate for the rights and preservation of Baloch culture and heritage.

Furthermore, the article delves into Mir Gul Khan Naseer's literary achievements, showcasing his profound impact on Balochi literature. Moreover, his contributions as a historian shed light on Baloch history, culture, and traditions, ensuring their preservation for future generations.

The article also explores Mir Gul Khan Naseer's role as a researcher and his commitment to scholarly pursuits. He conducted extensive research on various aspects of Baloch culture, literature, and history, authoring numerous books and scholarly papers. His scholarly endeavors contributed significantly to the understanding and appreciation of Baloch heritage, making him a revered figure among academics and researchers.

Overall, this article provides a concise yet comprehensive overview of Mir Gul Khan Naseer's literary achievements, and scholarly contributions. It aims to highlight his invaluable contributions to Balochi literature, research, and historiography, ensuring that his legacy as a researcher and historian continues to inspire and educate future generations.

Keywords: Mir Gul Khan Naseer, Balochi literature, research, history, Balochi language, Baloch culture, heritage, literary achievements, preservation, scholarly pursuits, Baloch heritage, academics, researchers, historiography, legacy.

تمہید:

بلوچی زبان و ادب کی ممتاز شخصیت میر گل خان نصیر 1914 میں پیدا ہوئے۔ وہ بلوچی زبان کے ایک نامور شاعر، ادیب، اور اسکالر کے ساتھ ساتھ بلوچ ثقافت اور ورثے کے حقوق اور تحفظ کے لیے ایک پرجوش وکیل کے طور پر بھی پہچانے جاتے ہیں۔ میر گل خان نصیر کے ادبی کارنامے بلوچی ادب پر ان کے گہرے اثرات کو ظاہر کرتا ہے اور آئندہ نسلوں کے لیے ان کے تحفظ کو یقینی بناتی ہیں۔

میر گل خان نصیر نے بلوچ ثقافت، ادب اور تاریخ کے مختلف پہلوؤں پر وسیع اور علمی تحقیق کی ہے۔ ان کی علمی کاوشوں نے بلوچ ورثے کی تفہیم اور تعریف میں اہم کردار ادا کیا ہے، جس سے وہ محققین اور مورخین میں ایک قابل احترام شخصیت بن گئے۔ یہ مضمون ان کی ادبی اور تاریخی کارناموں اور علمی خدمات کا ایک مختصر لیکن جامع جائزہ فراہم کرتا ہے۔ اس کا مقصد بلوچی ادب، تحقیق اور تاریخ نویسی میں ان کی گرانقدر خدمات کو اجاگر کرنے کے ساتھ اس بات کو یقینی بنانا کہ ایک محقق اور مورخ کے طور پر ان کی میراث آنے والی نسلوں کو تحریک اور تعلیم دیتی رہے۔

تحقیق کی اہمیت:

تحقیق زبان کی ترویج میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ادبی اثرات کی تحقیق سے ہم ایسے الفاظ، جملے، اور اندازوں کو سمجھتے ہیں جو کہ معمولی زبان کی متداولی سے باہر ہیں۔ اس کے ذریعے ہم مختلف فکری اور فلسفی موضوعات کو گہرائی سے سمجھتے ہیں۔ یہ ہمیں معاشرتی، اخلاقی، اور فرہنگی معاملات کی بہتر سمجھ میں مدد فراہم کرتی ہے، اور ہم تاریخ کو بہتر طریقے سے سمجھتے ہیں۔ شاعری، نثر، اور ادبی مصنوعات تاریخی واقعات اور معاشرتی حالات کو ظاہر کرنے میں مدد فراہم کرتے ہیں۔

تحقیق انسانی رویے اور مشکلات کی فہم میں مدد فراہم کرتی ہے۔ شاعری اور ادبی کردار کے ذریعے ہم مختلف انسانی جذبات اور تجربات کو سمجھتے ہیں جو کہ انسانی علوم کی روشنی چمکاتے ہیں۔ ادبی تحقیق خلاقیت کی بڑھتی ہوئی سطح کو بھی فروغ دیتی ہے۔ شاعری، کہانی لکھنے، اور فکری مناظرات کے ذریعے انسان کی ذہانت کو ترویج دیتی ہے۔ تحقیق معاشرتی تشکیل کی تعمیر میں بھی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ادبی مصنوعات کے ذریعے معاشرتی مسائل، سماجی تبدیلیاں، اور انسانی حالات کو بہتر طریقے سے سمجھا جا سکتا ہے۔

تحقیق مذہبی اور فلسفی موضوعات کی تجزیہ کرنے میں بھی کام آتی ہے۔ شاعری اور ادبی مصنوعات مذہبی تصورات اور فلسفی اصولوں کو واضح کرنے میں مدد فراہم کرتی ہے اور معاشرتی تبدیلی کی تشخیص میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ شاعری اور ادبی مصنوعات کے ذریعے ہم معاشرتی تبدیلیوں کو سمجھتے ہیں اور ان کے اثرات کو جانتے ہیں۔

میر گل خان نصیر بحیثیتِ محقق:

دنیا میں علم و ادب کے میدان میں وہ قومیں کامیاب ہوئیں جنہوں نے تحقیق و تخلیق کو اپنا راستہ بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ آج کا انسان ڈیجیٹل ہوتا جا رہا ہے۔ خلا کو فتح کرنا اور دوسرے سیاروں پر قدم رکھنا تخلیق اور تحقیق کی بدولت ممکن ہوا۔ ایک زمانے میں وہ قبیلہ یا خاندان خوش قسمت سمجھا جاتا تھا جس کے پاس لے جانے اور ہل چلانے کے لیے اونٹ اور بیل ہوتے تھے۔ لیکن آج صورتحال بدل چکی ہے۔ آج وہ قومیں خوش قسمت سمجھی جاتی ہیں جن کی معیشت اور سیاست ترقی کر رہی ہے۔ ان خوش قسمت قوموں نے روبوٹ ایجاد کیے ہیں اور اپنے روزمرہ کے کاموں میں ان سے مدد لے رہے ہیں۔

بلوچ معاشرے میں بیشک سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ابھی تک وہ ایجادات اور تخلیقات سامنے نہیں آئیں لیکن یہ قوم روایات، ادب، تہذیب و تمدن کے میدان میں اپنے ماضی کو محفوظ رکھتے ہوئے آگے بڑھ رہی ہے۔ لوک کہانیوں کے بہت سے ایسے کردار ہیں، جنہیں دیکھنے اور پڑھنے کے بعد سائنس اور ٹیکنالوجی کے ماہرین ان کرداروں کو حقیقت بنا رہے ہیں یا مستقبل قریب میں ان کرداروں کو حقیقت بنا سکتے ہیں، جیسے لوک کہانیوں کے کرداروں میں کوئی دیو یا ہیرو ایک جگہ سے دوسری جگہ پرواز کرتا ہے۔ وہ اپنے جادو اور منتروں سے کچھ اہم کارنامے انجام دیتا ہے جو لوگوں کو حیران کر دیتا تھا۔ آج بھی ان کرداروں کو تجسس سے سنا اور پڑھا جاتا ہے لیکن اگر آپ میں نے غور کیا ہو کہ ان کرداروں کو انسان نے حقیقت بنا دیا ہے جو

سات سمندر پار سے بات چیت کے ذریعے سیکنڈوں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتا ہے۔ ہوائی جہاز، راکٹ اور اب انسان ایک سائنسی کٹ استعمال کر کے خود اڑ سکتا ہے جو کہ لوک کہانیوں کے کرداروں کی بدولت انسان کے ذہن میں تخلیق کا سبب بنی ہے۔

آنے والے وقت کے لوگوں کے خیالات، فکر اور جستجو کو مد نظر رکھتے ہوئے ادیبوں اور شاعروں نے اپنی تحریروں کے ذریعے بہت سے کرداروں کو امر کر دیا۔ میر گل خان نصیر نے بلوچستان کے خانہ بدوشوں اور بلوچ قوم کے ادب کے میدان میں بہت سی اصناف تخلیق کرنے کا کام کیا یا انہیں بہتر اور وسیع معنوں میں استعمال کر کے لکھا۔ انہوں نے اس خطے کی تاریخ اور اس خطے سے متعلق واقعات کو تاریخ نویسی کی صورت میں محفوظ کیا۔ بحیثیت محقق میر گل خان نصیر کا کردار بلوچ معاشرے کے اولین محققین میں سے ایک ہے۔

ہم اس تحقیق کی وضاحت کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں جسے میر گل خان نصیر اپنا مشغلہ اور ذمہ داری سمجھتے تھے۔ عبدالصبور بلوچ اسے اپنی کتاب ”ورثہ نصیریات“ میں کچھ یوں بیان کرتے ہیں؛

> ”یہ دراصل سچ اور حقیقت کی دریافت کا عمل ہے۔ یہ اک ایسے طرز مطالعہ کا نام ہے جس میں موجود مواد کے صحیح یا غلط کو بعض مسلمات کی روشنی میں پرکھا جاتا ہے یعنی جب کسی امر کی اصل شکل پوشیدہ یا مبہم ہو تو اس کی اصل شکل دریافت کرنے کا عمل تحقیق ہے۔ اس طرح غیر موجود حقائق کی دریافت ہوتی ہے اور ساتھ ساتھ موجودہ حقائق کا دوبارہ جائزہ لینے میں بھی آسانی ہو سکتی ہے۔ یہ چیزیں اگر مناسب اسلوب میں آگے بڑھتی جائیں تو اس سے حدود علم میں توسیع کے وسیع امکانات بھی پیدا ہونگے۔ اس صورحال کو آگے بڑھانے اور پروان چڑھانے کا ایک فائدہ یہ بھی ہو گا کہ زندگی اور علم کے مختلف شعبوں میں نئے موضوعات اور زاویوں کا خاطر خواہ اضافہ ہوتا ہے“۔[i]

اسی حقیقت اور سچائی کا پرکھ جب تحقیق کی صورت میں سامنے آتا ہے تو لوگ اسی سے اپنے شب و روز کے نشیب و فراز کا تعین کرتے ہیں۔ مطالعہ کا شوق اور علم کی تقسیم ایک ہنر مندی ہے اور اس ہنر کو پھیلانے والے کی عظمت اور قدر کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ بلوچ آنے والے ہر مہمان کو رحمتِ خداوندی خیال کرتا ہے۔ گھرانہ کتنا ہی غریب کیوں نہ ہو وہ اپنے مہمان کی عزت اپنی حیثیت کے مطابق کرتے ہیں۔ ایسے میں مہمان اگر پڑھا لکھا ہو تو بات کچھ اور ہی ہوتی ہے۔ بلوچ معاشرے کی دیہی زندگی ہو یا شہری، تعلیم کی کمی کے باوجود خواندہ کا مقام انتہائی اہم ہے۔ ڈاکٹر شاہ محمد مری نے اپنی کتاب "کارواں کے ساتھ" میں مجموعی طور پر بلوچ نفسیات کا ذکر مختلف نظریات کے حامل کچھ یوں بیان کی ہے؛

> ”بلوچ سیاست کا دریائے ڈینیوب بے شمار ممالک کو سیراب کرتے ہوئے ہڑپہ تنوعات جنم دیتا رہتا ہے۔ اُس کا شکار پوری قوم ہے۔ حال احوال اور اطلاعات اور لحظہ بہ لحظہ بدلتی صورت حال کا بلوچ اپنے دانش ور اور فلاسفر کی ”لانگ ایکٹنگ“ دوائیوں جیسی باتوں کی طرف جائز توجہ نہیں دے پاتا۔ اسی لئے تو وہ اپنے مست و شہ مرید کو پڑھے سمجھے بغیر ولی بنا کر عزت کرتا ہے، بلوچ اپنے دانش ور کو پیر و مُرشد کا سا احترام دیتا ہے۔“[ii]

یہ بات طے ہے کہ بلوچ معاشرے میں سیاسی، ثقافتی، ادبی یا قبائلی حیثیت اور مقام رکھنے والے شخص کو عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ میر گل خان نصیر کی تحقیق کا نتیجہ ہے کہ بقولِ ڈاکٹر شاہ محمد مری کے، وہ آج بلوچ سماج میں ولی اور پیر کا مقام رکھتے ہیں۔ لیکن تین دہائی قبل بھی جو کتابیں تخلیق اور تالیف کی گئی تھیں، جن میں میر گل خان نصیر کا ذکر ہے، بہت پر اثر ہیں۔ اس کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ آج کے جدید ٹیکنالوجی کے دور میں بھی کسی ادیب اور شاعر کے اثر ورسوخ کا دائرہ اتنا وسیع نہیں ہو گا۔

نور محمد شیخ کی مرتب کردہ کتاب ”میر گل خان نصیر: شخصیت، شاعری اور سیاست“ میں ملک الشعراء کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں؛

"میر گل خان نصیر نے اپنے انقلابی آہنگ اور شاعرانہ ترنم کے سبب نہ صرف بلوچستان کے عوام کے دلوں میں گھر کر لیا تھا۔ بلکہ سندھ، ڈیرہ غازی خان اور ایرانی و افغانی بلوچوں میں بھی وہ یکساں مقبول ہیں۔ یہاں تک کہ مشرق وسطیٰ، عراق و بصرہ اور ہندوستان کے بلوچوں میں بھی ان کی شاعری کی بہت قدر و منزلت ہے۔" [iii]

میر گل خان نصیر اور ان کے کارواں کی خوش نصیبی یہ ہے کہ ان کے دور میں علم و ادب کی اہمیت بہت زیادہ تھی جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے کہ بلوچ معاشرے میں ایک پڑھے لکھے شخص کا مقام بہت اعلیٰ ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آج علم اور سائنس کی اہمیت کم ہو گئی ہے، بلکہ آج علم نے اور بھی بہت سی نئی شکلیں اور صورتیں اختیار کر لی ہیں۔ آج کی خواندگی صرف قلم اور کاغذ اور تحریر تک محدود نہیں ہے بلکہ آج یہ کمپیوٹر، گوگل، انٹرنیٹ، وٹس ایپ، پی ڈی ایف اور تھری ڈی کی شکل میں سامنے آئی ہے۔ آج کے ادیب یا محقق کو صرف کاغذ اور قلم کا وارث ہونا ضروری نہیں ہے کیونکہ ایک محقق اور تخلیق کار اس وقت کامیاب سمجھا جاتا ہے جب وہ جدید ذرائع استعمال کرتا ہے، چاہے وہ تخلیق کا عمل ہو یا تحقیق کا میدان۔ لیکن موضوعات کا انتخاب اہم ہے۔ اس میں قومی ثقافت، تاریخ اور ادبی شہ پاروں کی تحقیق کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ عبدالصبور بلوچ کی کتاب "ورثہ نصیریات" میں میر گل خان نصیر کی اسلوب اور اسلوبِ تحقیق کو یوں بیان کیا گیا ہے؛

"عالموں نے جن اوصاف کو محققوں کے لئے ضروری گردانا ہے وہ تمام اوصاف میر گل خان نصیر میں موجود تھے۔ کرداری اور اخلاقی لحاظ سے اُن میں حق گوئی غیر جانبداری اور بے تعصبی، تحقیق کی طرف رغبت اور ولولہ، مزاج میں اعتدال، منسکر المزاجی، اخلاقی جرات، مزاج میں ڈٹ کر محنت کرنے کا مادہ اور صبر و تحمل جیسے اوصاف اُن میں موجود تھے۔ ذہنی طور پر اُن کا مزاج غیر مقلدانہ تھا، وہ ضعیف الاعتقاد نہیں تھے۔ مشکک ہونے اور سائنس دان کی سی قطعیت جیسے وصف بھی اُن میں پائے جاتے تھے اچھے حافظے کے مالک اور ذہن کو سکون اور یکسوئی کے ساتھ کام پر مرکوز رکھنے کی صلاحیت اُن کا خاصہ تھیں" [iv]

میر گل خان نصیر نے بہت سے شعبوں پر تحقیق کی لیکن شاعری اور تاریخ سر فہرست رہی، اسی کو جذبے، لگن اور طرز زندگی سے آگے بڑھایا۔ وہ تخلیق کار کو فکر و نظر کا متلاشی سمجھتے ہوئے اپنے معاشرے، رسم و رواج، عقائد، قوم، زبان اور انسانی نفسیات کے مطابق تنگ نظری اور انتہاپسندی کو نظر انداز کرتے نظر آتے ہیں۔ انہیں اپنے وطن سے جنون کی حد تک پیار تھا، اس لیے انہوں نے اپنی تمام تر صلاحیتیں بلوچ قوم کی خوشحالی اور ترقی، بلوچی زبان کی ترقی و ترویج اور بلوچستان کی فلاح و بہبود کے لیے وقف کر دیں۔

"بلوچی شاعری کی پشت پر صدیوں کی ایک ادبی تاریخ ہے جس پر تفصیلی بحث تو کجا، اگر اجمالی طور پر بھی کچھ کہا جائے تو کئی جلدیں مرتب ہوں۔ لیکن اس وقت چونکہ ہمارے پیش نظر بلوچی رزمیہ شاعری ہے۔ اس لئے اس طویل بحث کو سمیٹ کر ہم صرف ان رزمیہ اشعار کے بیان پر اکتفا کریں گے جو کسی نہ کسی طرح بلوچستان اور بلوچوں کی تاریخ پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ جو نہ صرف سبق آموز ہیں بلکہ ہماری قومی تحریک کی منازل کو آج بھی نمایاں اور روشن کرتے ہیں" [v]

مختصراً یہ بتاتے چلیں کہ میر گل خان نصیر نے کبھی تحقیق کو فن کے طور پر نہیں اپنایا بلکہ اسے اپنا فرض سمجھا اور یہی وجہ تھی کہ انہوں نے طویل عرصہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے گزارا۔ جہاں کا ماحول ذہنی اور تخلیقی کام کے لیے کبھی موزوں نہیں ہوتا لیکن یہ صلاحیت گل خان میں موجود تھی کہ اس نے جیل میں ہی بہت سارے ادبی اور تخلیقی کام کیے۔ شاہد ہم ان کی تمام تصانیف کا تذکرہ نہیں کر سکیں لیکن ان کے کچھ خصوصی تحقیقی کام درج ذیل ہیں؛

تاریخ بلوچستان (جلد اول) 1952ء، تاریخ بلوچستان (جلد دوئم) 1957ء، داستانِ دوستین و شیرین 1965ء، حمل جیئند 1964ء، کوچ و بلوچ 1969ء، بلوچستان کی کہانی شاعروں کی زبانی 1976ء، بلوچی رزمیہ شاعری 1979ء، بلوچ عشقیہ شاعری 1979ء، مشہد ناجنگ نامہ 1981ء بلوچستان قدیم اور

جدید تاریخ کی روشنی میں 1982ء، تاریخِ خوانین قلات 1982ء اور دیگر شامل ہیں۔

کسی معاشرے میں لوک ادب بالخصوص لوک کہانیوں کی اہمیت مسلمہ ہے۔ کیونکہ یہ ادب ایک معاشرتی ثقافت کو بیان کرتا ہے، جو کہ کسی خصوصی علاقے یا ملک کی مخصوصیات کو ظاہر کرتی ہے۔ اس کے ذریعے آپ اپنی تربیت، معاشرتی مقامات اور تہذیب کو بہتر طریقے سے سمجھ سکتے ہیں۔ لوک ادب کے ذریعے تاریخی واقعات، عوامی روایات اور معاشرتی تبدیلیوں کو منعکس کیا جاتا ہے۔ یہ ایک زندگی کی گزر۔ شہرت یافتہ لوگوں کی کہانیاں بھی شامل کرتا ہے جو کہ عوام کے درمیان مشہور ہیں۔ لوک ادب کے ذریعے اخلاقی اور انسانی قیمتوں کی تعلیم دی جاسکتی ہے۔ اس میں اخلاقی سبق انسانی جذبات، رشتے داری، اچھا بھلا کرنے اور سبق آموز کہانیاں شامل ہوتی ہیں۔ اس ادب سے آپ کا لغو زبان اور فکری برابینت مزید بہتر ہوتا ہے۔ اس سے لغو کو فرہنگی پیشہ وری اور سوچنے کی صلاحیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس ادب کے ذریعے لوگ اپنی فراغت کو خوشی سے گزار سکتے ہیں۔ مزاحیہ کہانیاں اور شعری کلام کو پڑھ کر محفل میں ہنسی اور خوشیاں منائی جاسکتی ہیں۔ لوک ادب عوام کے درمیان تعلقات کو بڑھاتا ہے۔ اس کے ذریعے لوگ اپنی مشترکہ تجربات کا اظہار کرتے ہیں اور مختلف طبقات اور معاشرتی گروہوں کے بیچ ایک موازنہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کے ذریعے انسانی خیالات کی تبادلہ کرنے کا موقع ملتا ہے اور نئی ابداعت کی جاسکتی ہیں۔ اس سے طبیعی مناظر، زندگی کے تجربات، اور معاشرتی مسائل پر نئے نکات نظر کا افق وسیع ہوتا ہے۔ "بلوچی لوک کہانیاں" کے عنوان سے میر گل خان نصیر ان کی اہمیت کو اقسام کو اجاگر کرتے ہوئے لکھتے ہیں؛

> "جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں ہر قوم کی لوک کہانیاں عموماً دو قسم کی ہوتی ہیں ایک وہ جو بچوں کے لئے مخصوص ہوتی ہیں جنہیں دادی امائیں، مائیں اور بڑی بہنیں اپنے چھوٹے نواسے، نواسیوں، بیٹے، بیٹیوں اور بھائی بہنوں کو رات کو سلاتے وقت سناتی رہتی ہیں۔ ان کہانیوں میں اکثر شہزادوں، پریوں، دیوؤں، بھیڑیوں، گیدڑوں، لومڑیوں اور بہادروں کے کارناموں کا ایک سادہ اور سلیس زبان میں بیان ہوتا ہے۔ دوسری کہانیاں، جوانوں اور سن رسیدہ لوگوں کے لئے ہوتی ہیں جو بلوچستان میں عموماً سردیوں کے موسم میں رات کے وقت اَلاؤ کے گرد بیٹھ کر کہی اور سُنی جاتی ہیں۔ یہ کہانیاں تاریخی بھی ہوتی ہیں، مذہبی اور مزاحیہ بھی۔ ان میں بادشاہوں، وزیروں، چوروں اور ڈاکوؤں کے کارنامے اور پیغمبروں، ولیوں اور پیروں کی کرامات کا بیان بھی ہوتا ہے" [vi]

لوک کہانیوں اور لوک ادب کی اہمیت پر بات ہو چکی مگر لوک داستانوں کو شاعری کے قالب میں ڈھالنے والے میر گل خان نصیر کی اسلوب کے بارے میں بہت سے محققین نے بات کی ہے۔ اسلوب کی تعریف یوں کی جاتی ہے کہ اس میں زبان اور خیال کا طریقہِ اظہار اسلوب کہلاتا ہے۔ چونکہ الفاظ کا تعلق انسان کے خیالات اور جذبات سے ہوتا ہے اس میں محقق کے خیالات اور احساسات یکجا ہوتے ہیں جس طرح ہر شخص کی تحریر کا ایک اپنا انداز ہوتا ہے اسی طرح اسلوب بھی ہر ادیب اور محقق کا الگ امتزاج لئے ہوئے ہمارے سامنے آتا ہے۔

گل خان کا سماج استحصالی اور قبضہ گیروں کا تھا مگر ان تمام جبر اور ناانصافیوں کو محسوس کرتے ہوئے انہوں نے بلوچ، بلوچستان، غربت اور افلاس کو اپنا موضوع بنایا۔ اُس نے ان تمام عناصر کو تنقید کا نشانہ بنانے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو زندگی کی نئی راہیں بھی متعین کی۔ تخلیق اور تحقیق جس طرح مقامی ہونے کے ساتھ ساتھ آفاقیت بھی ہوتا ہے۔ اس قدر مشترک کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

> "آفاقیت کا عنصر ساری دنیا کے ادب میں ایک قدر مشترک ہے، مگر اسی دنیا کے ہر خطے کا ادب اپنی خوشبو اور انفرادیت، اپنے لمس اور لہجے کے باعث، دوسرے خطوں کی ادبیات سے مختلف ہے.... گویا اس کی اپنی 'شخصیت' ہے جس کی تعمیر میں اُس خطہ ارضی کے نمک، پانی اور ہوا، ثقافتی اور تمدنی سرمایے، مذہبی اثاثے، نظریات حیات اور خون کی حدت یا خنکی، ان سب نے حصہ لیا ہے" [vii]

تخلیق کار کسی بھی معاشرے کا ہو اُس کا تخلیق مقامی کے ساتھ ساتھ دوسری صورت میں عالمی بھی ہوتا ہے کیونکہ ہر زبان کے شہہ پارے دوسرے زبانوں میں ترجمہ ہورہے ہیں اور میر گل خان نصیر نے بھی بحثیت مترجم بھی کام کیا۔ ہر محقق کا نظام اُس کی تخلیق کا سبب بنتا ہے وہ مختلف طریقوں سے اپنا پیغام عوام اور حکمرانوں کے ایوانوں تک حوصلہ افزائی اور تنقید کی صورت میں پہنچاتا۔ وہ ادب تخلیق کرنے کے ساتھ ساتھ آگاہی اور شعور کا پیغام بھی دے رہاہوتا ہے۔ میر گل خان نصیر نے اپنی تخلیقات کی صورت میں بلوچ عوام کو استحصال سے پاک معاشرے کے قیام کے لئے اُبھارا۔ اس پاداش میں اُس کو کئی طرح کی اذیتیں برداشت کرنا پڑا۔ مگر پھر بھی بقول اُن کے وہ مزید طاقت اور لگن سے اس کام میں مگن رہابلکہ ایک جنون اذیتوں کے بعد اس میں شامل ہوا۔

ادبی تخلیق اپنی خمیر میں انسان کی خوشحالی اور ترقی کا ذریعہ بنتا ہے۔ یہ فرد واحد کی نہیں بلکہ پورے معاشرے کی خوشحالی اور ترقی کا سبب بنتا ہے۔ وہ نفرت سے انکار، محبت اور انسانیت کا سبق لئے آگے بڑھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بلوچستان کا ادب اور دنیا کے دیگر ادب ہمارے ہاں اور یہاں کا ادب دیگر زبانوں میں ڈھل رہاہے، اس سے دنیا کے محنت کش اور ادیب اور تخلیق کار کے سوچنے، سمجھنے اور تجزیہ کرنے کے تجربات سے ہر دو معاشرے استفادہ کررہے ہیں۔

میر گل خان نصیر کی تخلیقات کا جائزہ لیاجائے تو اُس میں معروضی حالات کے ساتھ ساتھ مستقبل کا بھی تجزیہ شامل رہاہے۔ اُن کی مشہور شاعری کی ایک صورت ملاحظہ کریں؛

اُٹھ کے اب دنیا میں پھر جینے کا ساماں کیجئے
آج اس کانٹے کو ہم رنگِ گلستاں کیجئے
لب و ولور اور جرگے کے یہ جھگڑے چھوڑ دے
یعنی دل کو بے نیازِ کفر و ایماں کیجئے
'کلمتہ الحق' آگیا زنجیرِ باطل توڑنے
آیئے اب دوسری ہستی کا ساماں کیجئے
دیجئے بے تاب دل کو درسِ آزادی مدام
ان غلاموں کو ذرا آزاد انساں کیجئے
دیکھیئے کیا رنگ دکھلائے گی یہ شور و شغب
کھویئے اپنے کو تو پھر ان کا ارماں کیجئے
یہ میرا پیغام اب شہباز سے کہہ دو نصیر
زندگی بھر شکوئہ جورِ عزیزاں کیجئے

اس طرح کے خیالات کے بعد بھی جب انگریز کے جانے کے بعد بھی میر گل خان نصیر نے مشاہدہ کیا کہ عام آدمی کی زندگی میں کوئی بہتری نہیں آئی ، آج بھی محنت کش آرام کرنے کے بجائے مسلسل کام کے باوجود دو وقت کی روٹی حاصل نہیں کرپارہاہے۔ کسان جو اپنی خون پسینہ سے زمینیں آباد کرتا ہے مگر پھر بھی اُس کی خوشحالی اور بچوں کے تعلیم کا وسیلہ نہیں بن پارہااور دوسری جانب ایک ہی طبقہ ریاستی انصافیوں کے سبب تمام مراعات کا مالک بنا بیٹھاہوا تو انہوں نے خاموش بیٹھنے کے بجائے جدوجہد اور تخلیق کے ذریعے اپنا فرض نبھاتے رہے۔ یہی سبب ہے کہ ان کو ہر بار جیل سے رہائی ملنے کے

بعد پھر کسی نہ کسی الزام میں اندر کیا جاتا تھا اور وہ جیل میں بھی اپنی فرض سے غافل نہیں رہ پاتے بلکہ پہلے سے کہیں زیادہ جذبہ کے تحت تخلیق کے عمل میں مگن ہوتے۔ ایسے ہی شخصیات تاریخ میں امر رہتے ہیں جو صرف اپنے لئے نہیں جیتے بلکہ اُن کا اُٹھنا بیٹھنا، سوچ اور جذبات دوسروں کی فلاح او ر بھلائی میں مصرف ہوتے ہیں۔ ایسے ہی شخصیات نے یہ بھی کہا کہ

"چلتے ہوئے یہ مت سوچو کہ منزل پر پہنچ گیا ہوں بلکہ زندگی تو چلنے اور سفر کا ہی تو نام ہے۔"

جب ہم کسی معتبر شخصیت کی تخلیقات کا احاطہ کرتے ہوئے صرف یہ کہہ دیں کہ انہوں نے اعلیٰ اور عظیم کام سرانجام دیا ہے تو یہ الفاظ اُن کی محنت اور جدوجہد کا نعمل البدل نہیں ہوسکتے۔ بلکہ یہ کہنا مناسب ہو گا کہ میر گل خان نصیر جیسی شخصیات اور محققین کی تمام تر عرق ریزی کا آج کے جدید دور کے مطابق جائزہ لے کر اُن کو مشعل راہ بنایا جائے اور اُن سے زیادہ ضروری بات اُن کو میڈیا کے مختلف شکلوں کے ذریعے عام کیا جائے۔ حق تو یہ ہے کہ بلوچستان اور بلوچ معاشرے کا ہر فرد تک ان تخلیقات کا پہنچنا ذمہ داروں کا فرض ہے۔ آج جہاں پی ڈی ایف اور آڈیو ریکارڈنگ کے ذریعے سینکڑوں صفحات کے کتابوں کو ریکارڈ کر کے وائٹس ایپ اور دیگر ذرائع سے عام کرنے کی سہولت موجود ہے۔ اس لئے میر گل خان نصیر کی شاعری، تاریخی کتب اور دیگر خدمات کو آگے لانے والے ادارے اور شخصیات کی حوصلہ افزائی خوب ہونی چاہیئے تا کہ ایک ایسا روایت بن جائے کہ ہم اپنے تمام عظیم ہستیوں کے کام کو ضائع اور زمانہ برد کرنے کے بجائے اُن کو مختلف صورتوں میں محفوظ کر کے اپنی زندہ قوم ہونے کا ثبوت دیں۔ اُن کو دیگر ہمسایہ زبانوں میں ترجمہ کر کے بھی یہ کام کیا جاسکتا ہے۔

یہ کٹھن ہے راستہ
جس پر ہم روان ہیں
کوندتی ہیں بجلیاں
دشمن آسمان ہیں
گونجتے ہیں زلزلے
مٹ رہے نشان ہیں
ٹوٹتے ہیں حوصلے
سخت امتحان ہیں
اس پہ وہ جواں بڑھے
موت سے بھی جو لڑے

میر گل خان نصیر بحیثیتِ مورخ:

تاریخ کسی بھی قوم اور معاشرے اور خطے کی ہو اُس میں تحقیق، مشاہدہ اور مطالعہ کا انتہائی اہم کردار ہوتا ہے۔ ماضی اور ماضی قریب کے دستیاب کتب سے رہنمائی حاصل کرنے کے علاوہ بزرگ اور عمر رسیدہ افراد کی معلومات کی بنیاد پر تاریخ مرتب کی جاتی ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ تاریخ نویسی میں مختلف عوامل شامل رہے ہیں۔ کبھی اگر کسی بادشاہِ وقت نے اپنے دور کی تاریخ درباری مورخوں سے تحریر کروایا تو انہوں نے زیادہ سے زیادہ اُس میں اپنی تعریف اور اچھائیوں کا ذکر کروایا اور درباری مورخ زیادہ سے زیادہ بادشاہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے قصیدہ گوئی کرتا۔

اس کے علاوہ ہر مورخ کا اپنا مطالعہ اور مشاہدہ ہوتا ہے جس کی بنیاد پر وہ کسی بھی قسم کی تاریخ ضبطِ تحریر میں لاتا ہے۔ اس لئے موجودہ دور تک ماضی کی تاریخ کے حوالے سے مواد پر شک اور یقین دونوں کا گمان رہا ہے۔ مگر کچھ ایسے بھی اشخاص اور مورخین گزرے ہیں جنہوں نے بادشاہ یا اُس وقت کے حکمرانوں کے خوشنودی حاصل کرنے کے بجائے اُن کی اصل کردار کو عوام کے سامنے لایا۔ اس کے بدلے اُسے انتہائی قسم کے تکالیف کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ مگر اس طرح کا مورخ آنے والے وقت میں عوام کا ہیرو قرار پایا۔

> "کنے چُنکی آن تینا قوم و وطن نا تاریخ تون اُس خواہی ئسکہ۔ ہر کتابس کہ خواناٹہ یا پیروسیان کہ تینا تاریخ ناہیت اس بنگوٹہ اودے نوشتہ کریسہ ہناٹہ۔ انداڈولٹ بلوچستان نا تاریخ نا بابت کنے داخس مواد کنے دوتما کہ ای داقابل مسٹ کہ منہ سال آن پد بلوچستان نا تاریخ ئے نوشتہ کیو" [viii]

ترجمہ:

> "مجھے بچپن سے اپنے قوم اور وطن کی تاریخ سے دلچسپی تھا۔ جب کبھی کوئی کتاب پڑھتا یا کسی بزرگ سے اپنی تاریخ کی کوئی بات سنتا تو اُس کو تحریر کرتا۔ اسی طرح بلوچستان کی تاریخ کے حوالے سے اتنی مواد مجھے ہاتھ آیا کہ اس قابل ہوا کہ چند سال کے بعد بلوچستان کی تاریخ تحریر کر سکوں"

تاریخ نویسی ایک ہنر، ایک قابلیت اور ایک جذبے کا نام ہے۔ جب انسان نے تحریر کا فن ایجاد کیا تو انہوں نے غاروں میں جہاں اُن کا بسیرا تھا۔ اُن میں مختلف تصویروں کے ذریعے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ مورخین اور ماہر آثار قدیمہ ان تصاویر سے اُس دور کے لوگوں کے خیالات کو جاننے کی کوشش کر رہے ہیں اور بہت حد تک ان آثار قدیمہ سے مختلف زبانوں اور خیالات کو جاننے میں کامیابی حاصل کی ہے مگر ہنوز یہ کام جاری ہے۔

بلوچستان کی تاریخ کے حوالے سے ماضی میں بہت کم کام ہوا۔ جس کی وجہ سے انتہائی اہم واقعات اور شخصیات اور ادوار کا حال موجودہ نسل تک نہیں پہنچ سکا تاہم اب کچھ حد تک بعض افراد تاریخ کے مختلف شعبوں پر کام کر رہے ہیں مگر چونکہ کسی بھی قوم اور خطے کی تاریخ انتہائی طویل ہوتا ہے اس لئے تمام تاریخ کو اکٹھا کرنا بہت مشکل کام ہے مگر ناممکن نہیں اس سلسلے میں بلوچستان کی تاریخ پر سب سے پہلے انگریزوں نے زیادہ کام کیا آج بھی تاریخ نویسی میں اُن کے کام سے زیادہ سے زیادہ مدد حاصل کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ رائے بہادر ہتورام، سعید دہوار ماضی قریب کے بلوچستان کی تاریخ تحریر کرنے والے شخصیات میں معتبر نام خیال کئے جاتے ہیں۔ موجودہ دور میں ڈاکٹر فاروق بلوچ، پناہ بلوچ اور دیگر چنیدہ افراد قابل ذکر ہیں۔

میر گل خان نصیر جنہوں نے اپنی زندگی کے جتنے بھی دن گزارے انہوں نے اُن کو بامقصد طور پر گزارے انہیں بچپن سے ہی معاشرے کی اچھائیوں او ربرائیوں تھا۔ شعر گوئی تو انہوں نے پانچ سال کی عمر میں شروع کی تھی بعد ازاں اسی علمی تسلسل کو جاری رکھتے ہوئے انہوں نے بلوچستان میں علم او رشعور کی کئی شمعیں روشن کیں۔ انہوں نے شاعری کے علاوہ تاریخ نویسی بھی کی۔ اُن کی تحریر کردہ "تاریخ بلوچستان" (دو جلدیں)، کوچ و بلوچ" کے علاوہ اپنی شاعری میں بہت سے جنگوں کی تاریخ کو شاعری کے ذریعے بیان کیا ہے۔ جن میں بلوچوں کی بہادری، قول کے پکے اور دیگر خصوصیات کا ذکر خاص طور پر ہیں۔

جس طرح ہم نے ذکر کیا کہ تاریخ نویس اپنے نظریے، فائدہ اور مقصد کے تحت واقعات کا منظر، پس منظر اور پیش منظر پیش کرتا ہے۔ اس حوالے سے

ماضی کے ادوار میں تحریر کردہ تاریخ کے حوالے سے عبدالصبور بلوچ"ورشہ"(نصیریات) میں تحریر کرتے ہیں؛

"بعض بیرونی مورخین بالخصوص انگریزوں نے چند ایسی کتابیں ضرور چھوڑی ہیں جن سے بلوچستان اور بلوچ قوم سے متعلق بعض واقعات اور حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ لیکن ان کتابوں کو ہم بلوچستان کی قومی تاریخ کا درجہ نہیں دے سکتے۔ اُن میں بہت بڑی حد تک سیاسی اغراض و مقاصد کو پیش نظر رکھا گیا۔ اس کے علاوہ یہ غیر ملکی مصنفین بلوچوں کے خصائل، قبائلی نفسیات اور رسم و رواج سے کماحقہ واقفیت نہیں رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اس میدان میں قدم قدم پر خطرناک ٹھوکریں کھائی ہیں" [ix]

اب بھی اگر ہم ترقی پذیر ممالک خاص طور پر تیسری دنیااور مظلوم اور محکوم اقوام کے موجودہ حالات کا جائزہ لیں تو اُن میں مصنوعی قسم کی قیادت، مصنوعی سیاست، مصنوعی ثقافت اور حتیٰ کہ مصنوعی معاشرے کا قیام ہوا ہے جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اختیارات کا مالک وہ قوتیں ہیں جنہیں عوام کے مفادات سے کوئی سروکار نہیں وہ صرف اور صرف اپنے مفادات کے لئے چند افراد کو نواز کر اُن کے ذریعے سیاست، ثقافت، تعلیم حتیٰ کہ ہر شعبے میں پیوند کاری کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جس کی وجہ سے پوری دنیا کیونکہ گلوبل ویلج بن چکی ہے ہر قسم کی حادثات، واقعات اور نفسیات کا عمل پوری دنیا کو ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے ہر طرف افراتفری اور بدانتظامی کی سی حالت پیدا ہو گئی ہے۔ جب کہ دوسری جانب مہنگائی اور بدامنی نے حالات کو اور دیگر گو بنادیا ہے۔ ان دونوں حالات میں وہاں کا معاشرہ اپنے تاریخ، ثقافت اور سیاست سے لاتعلق ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ مزید ابتری، تنزلی اور انسانی اقدار کا ملیامیٹ ہو جانا ہوتا ہے۔

بلوچستان کا معاشرہ بھی میر گل خان نصیر اور اس کے بعد مختلف بحرانوں کا سامنا کر رہا ہے مگر اُن کی شخصیت، شاعری اور سیاست کا اُس دور سے اب تک معاشرے کے ہر فرد پر اثرات مرتب کر رہا ہے۔ بحیثیت مورخ میر گل خان نصیر کی تاریخ نویسی کا بیان اُن کی "صد سالہ تقریبات" کے سلسلے میں منعقدہ کتابچہ میں کچھ یوں تحریر ہے؛

"بلوچ جدید قومی تاریخ میں جہاں میر گل خان نصیر کو بہت سے میدانوں میں سر خیل یا اولیت کا درجہ حاصل ہے اسی طرح بلوچ قومی تاریخ نویسی میں بھی وہ پہلے بلوچ مرد مجاہد ہیں جنہوں نے بلوچی قومی تاریخ لکھی۔ انہوں نے 'بلوچستان کی تاریخ' دو جلدوں میں ترتیب دی۔ اس کے علاوہ "بلوچستان قدیم و جدید تاریخ کی روشنی میں" ان کی شاہکار سمجھی جاتی ہے۔ "کوچ و بلوچ" اور "تاریخ خوانین قلات" گو کہ ترجمہ کی ہوئی کتابیں ہیں لیکن میر گل خان نصیر نے اپنے تاریخی شعور اور ایک مورخ کی حیثیت سے ان کتابوں پر حواشی، توضیح اور تشریح کرتے ہوئے تاریخی غلطیوں کی تصحیح کرنے کی کوشش کی ہے۔ "بلوچستان کے سرحدی چھاپہ مار" بھی بلوچ قومی تاریخ سے ان کی لگن اور دلچسپی کا ثبوت ہے۔ جسے انہوں نے اردو میں ترجمہ کر کے بلوچ قارئین تک پہنچایا۔" [x]

جس طرح ذکر ہوا کہ تاریخ کے بارے میں متضاد نظریات ہمیشہ ساتھ ساتھ رہے ہیں۔ ہر دو نظریات میں تاریخ کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ پہلا مکتب فکر ان مورخین پر مشتمل ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ تاریخ کسی قوم کے ماضی کے واقعات کا نام ہے۔ ان مفکرین کی رائے میں تاریخ ان واقعات کی عکاسی کرتی ہے او

ر موجودہ نسل کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ ان کا ماضی کس قدر روشن اور کس حد تک تاریک رہا ہے۔ ماضی میں کس قسم کی رسم ورواج اور سوچ اور فکر کا معاشرہ مالک ہوا ہے اور اب اُن کی کون سی مثبت اور نفی پہلو اب بھی معاشرے میں موجود ہیں۔ چونکہ اگر معاشرے کی اچھائیوں اور مثبت پہلوؤں کو زیادہ اجاگر کیا جائے تو وہ معاشرہ مثبت سوچ وفکر کا مالک بن جاتا ہے اور اُس کا مستقبل بھی روشن، ترقی اور خوشحالی اس کا نصیب بن جاتا ہے۔ اگر کسی طرح سے منفی اور غلط روایات کا پیچھا نہیں چھوڑا گیا تو قتل وغارت گری، علم سے دوری اور شعور سے نفرت ہو جاتا ہے اور لوگ ماضی کے تاریک اندھیروں میں ہی زندگی بسر کر رہے ہوتے ہیں۔

اس لئے ضروری ہے کہ موجودہ دور کا تاریخ نویس زیادہ سے زیادہ قوم کی مثبت پہلوؤں کو اجاگر کریں تاکہ وہ اُن کی مدد سے اپنی زندگی میں بہتر فیصلے کر سکیں۔

میر گل خان نصیر کی پہلی برسی کے موقع پر پروفیسر بہادر خان رودینی اپنے ایک طویل تحریر جسے یار جان بادینی / طاہر حکیم بلوچ نے "میر گل خان نصیر فن اور زندگی" میں شامل اشاعت کیا ہے، لکھتے ہیں؛

> "میر گل خان نصیر سے قبل بہت سے غیر ملکی حضرات نے بلوچستان کی تاریخ پر کتابیں تحریر کی ہیں اور کئی دوسرے مصنفین نے بھی بلوچستان کی زبان، قبائل وغیرہ پر بہت سا مواد اکٹھا کیا ہے اور بلوچوں کی معاشرتی، ثقافتی اور قبائلی زندگی کا مطالعہ کیا۔ ان تمام تاریخی کتب اور مواد میں بلوچستان کی قبائلی زندگی کی جھلک نظر آتی ہے ان تاریخی تحریروں سے قبائل کے شجرہ نسب کا پتہ چلتا ہے اور ان کی آپس کی رفاقتوں اور دشمنیوں کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ مگر ان سے بلوچستان کی اور پھر خصوصاً "بلوچوں کی تاریخ" کا پتہ چل سکتا ہے۔" [xi]

تاریخ نویسی کا سب سے مثبت پہلو اپنے ماضی سے آگاہ ہونے کے علاوہ سب سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ وہ قوم اپنی عروج اور زوال کے اسباب جان سکیں۔ اگر انہوں نے ماضی میں ایک شاندار زندگی گزاری اور مثالی معاشرہ قائم کیا تو انہی اسباب کی بنیاد پر وہ اپنے آج بھی اسی طرح محفوظ اور خوشحال بنا سکتا ہے۔ تاریخ نویسی دنیا میں جہاں بہت سے تہذیبوں اور ثقافتوں کی دریافت کا سبب بنا ہے وہی بہت سے مثبت اور منفی پہلوؤں کو بھی اجاگر کیا ہے۔ مگر چونکہ انسان کی یہ خصلت ہے کہ وہ تاریخ کے اوراق میں اپنے دوست اور دشمن کا تمیز کر سکیں۔ اور اسی خصلت کی بنیاد پر دوست سے دوستی اور دشمن سے دشمنی نبائیں۔ یا دوست کی غداری اور دشمن کی اچھائیوں کی بنیاد پر اُسے معاف کر کے اُس کے ساتھ برابری کی بنیاد پر زندگی گزارے۔ جس طرح کہا جاتا ہے کہ سیاست میں کوئی ہمیشہ دوست اور کوئی ہمیشہ دشمن نہیں رہتا بلکہ وقت کے ساتھ اور مفادات کے تحت دوست دشمن اور دشمن دوست بن سکتا ہے۔

میر گل خان نصیر کی تحریر کردہ "تاریخ بلوچستان" (جلد اول) بلوچستان سے متعلق ایک مستند کتاب ہے۔ 1952ء میں چھپنے والی یہ کتاب 340 صفحات پر محیط ہے جس میں بلوچستان کی ابتدائی زندگی سے بلوچستان میں آمد اور میر نصیر خان دوئم تک کی تاریخ شامل ہے۔ میر گل خان نصیر کے رفیق میر غوث بخش بزنجو اس کتاب کے دیباچے میں رقمطراز ہیں:

> "ہمارے پاس اب تک بلوچستان کی کوئی ایسی تاریخ موجود نہ تھی جسے ہم اپنی قوم اور ملک کی تاریخ کہہ سکتے۔ البتہ بعض بیرونی

مورخین، بالخصوص انگریزوں نے چند ایسی کتابیں چھوڑی ہیں جن سے بلوچستان اور بلوچ قوم سے متعلق بعض واقعات و حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ لیکن ان کتابوں کو ہم بلوچستان کی میر گل خان نصیر کی یہ کوشش اور عرق ریزی قابل قدر اور مستحق ستائش ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اپنے اس مخلص سیاسی رفیق، آتش بیان شاعر اور ادیب کی پشت پر ایثار و قربانی کی ایک طویل تاریخ ہے۔ کن الفاظ میں تعریف کروں۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارے یہ مایہ ناز شاعر اور مورخ قوم و ملک و ملت کے لئے جو پیش بہا خدمت سر انجام دے رہے ہیں ہماری آئندہ نسل ان پر فخر کرے گی"۔[xii]

"تاریخ بلوچستان" (جلد دوم) 640 صفحات پر مشتمل ہے اس کتاب کو پہلی مرتبہ 1957ء میں قومی کتاب گھر کوئٹہ کے زیر اہتمام اسلامیہ پریس کوئٹہ سے طبع کرا کر شائع کی گئی۔ تاریخ کی یہ دوسری جلد پندرہ ابواب، خان میر خداداد خان سے لے کر خان میر احمد یار خان کے دور (1955) تک محیط ہے۔ اس جلد کے حوالے سے میر گل خان نصیر دیباچے میں تحریر کرتے ہیں۔

"سرزمین بلوچستان جس کی تاریخ کی دوسری جلد آپ کے سامنے ہے۔ گلہم یہ سرزمین نہیں جسے آج کل کے نقشوں میں بلوچستان کے نام سے دکھلایا جاتا ہے۔ یہ درحقیقت بلوچستان کا وہ حصہ ہے جسے بلوچ قوم کی گذشتہ پانچ صد سالہ تاریخ میں مرکزیت کا شرف حاصل رہا ہے۔ مگر یہ پورا بلوچستان نہیں۔ اسے تو برطانوی حکومت نے اپنے سامراجی مقاصد کے حصول کے لئے سرزمین بلوچستان کے حصے بخرے کرنے کے بعد بلوچستان کے نام سے باقی رکھا اور اس میں معاہدہ گنڈمک (1879ء) اور دوسرے معاہدات اور سمجھوتوں کے ذریعے حکومت افغانستان سے حاصل کئے ہوئے چند خالص پٹھائی علاقے میں شامل کر دیئے"[xiii]

میر گل خان نصیر کی تاریخ پر تحریر کی گئی کتابوں کے مواد میں یہاں کے اقوام، زبانوں، ثقافتوں اُن کا ماضی اور اُس دور میں انگریزوں کی جانب سے لوگوں کے ساتھ روا رکھا جانے والا سلوک کا ذکر ملتا ہے۔ انہوں نے ریاست قلات کے خانوں کی مثبت اور منفی کردار کو بھی اجاگر کیا ہے۔ "تاریخ خوانین قلات" جو 'اخبار الابرار' کا اردو ترجمہ ہے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے میر گل خان نصیر تحریر کرتے ہیں۔

"اخوند محمد صدیق کی تاریخ الابرار کا جو ترجمہ قارئین کے مطالعے کے لئے پیش کیا جارہا ہے۔ اس کا بیشتر حصہ اسی فارسی مسودے پر مشتمل ہے، جسے جناب نیٹو ہتورام نے اپنی تالیف "تاریخ بلوچستان" میں من و عن فارسی میں درج کیا ہے۔ البتہ اس مسودے کے دو تین ابتدائی صفحات مفقود تھے۔ اس لحاظ سے "اخبار الابرابر" کا اردو ترجمہ نامکمل رہ جاتا اگر آغا میر نصیر خان احمد زئی اس ضمن میں ہماری مدد نہ کرتے۔ ان کے پاس اصل مسودے کی ایک نقل موجود تھی جو انہوں نے قاضی محمد جلال الدین سابق وزیر اعظم ریاست قلات کے کتب خانے سے حاصل کی ہے۔ ان کی عنایت سے ہم اس قابل ہو سکے کہ مکمل "اخبار الابرابر" کا اردو ترجمہ قارئین کی خدمت میں پیش کر سکیں"[xiv]

ذکر "تاریخ خوانین قلات" کا ہوا تو میر گل خان نصیر کی اس کتاب کے "عرض ناشر" اور "دیباچہ" سے مختصراً اقتساب پیش کرتے ہیں تا کہ اس کتاب کی تاریخی اہمیت سے آپ واقف ہو۔

عرض ناشر؛

"بلوچستان کی تاریخ میں بعض ایسے واقعات کا ذکر ملتا ہے جن سے یہاں کی آبادی پر تباہ کُن اثرات پڑے ہیں ۔ سردار میر چاکر خان رند اور میر گواہرام لاشاری کے درمیان تیس سالہ خانہ جنگی نے جس طرح بلوچستان سے بلوچوں کی بنیادیں اکھیڑ دیں بالکل اسی طرح خان میر محراب خان دوم کے دورِ حکومت میں انگریز حملہ آوروں کی سازشی کارستانیوں اور خان میر خداداد خان کے دور میں خان اور سرداروں کے درمیان بیس سالہ طویل کشمکش اور خانہ جنگی نے بلوچستان کے عوام کو اُدھیڑ کر رکھ دیا۔ تاریخ احمد زئی خوانین قلات ان حالات وواقعات کا ایک ایسا آئینہ ہے جو نہ صرف عبرت آموز ہے بلکہ حیرت انگریز اور سبق آموز بھی ہے ۔"[xv]

اب پیش خدمت ہے کتاب کا دیباچہ جسے میر گل خان نصیر نے تحریر کیا ہے۔

"شیرازی، ملاؤں یا اخوندوں کا یہ خاندان کب اور کس خان کے عہد میں قلات میں آکر بس گیا اس سے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا ۔ البتہ بلوچوں کی تاریخ سے اس قدر ظاہر ہوتا ہے کہ خانِ قلات میر محراب خان کے عہد میں اور ان کے بعد خان میر سمندر خان کے عہد حکومت میں آخوند محمد صالح دربار قلات میں منصبِ وزارت پر فائز تھے۔ آخوند محمد صالح کے بعد ان کا بیٹا آخوند محمد حیات خان، میر محبت خان اور پھر خان میر نصیر خان اول کے دوران حکومت میں اسی منصب پر فائز المرام رہے ۔ آخوند محمد حیات کے بعد اُن کے بیٹے آخوند فتح محمد جو آخوند محمد صدیق مذکور کے والد بزر گوار تھے۔ وزیر بنے اور خان میر محراب خان شہید کی حکومت میں انگریزوں کی بلوچستان میں آمد تک منصبِ وزارت پر متمکن رہے۔[xvi]

خلاصہِ بحث:

اگر آپ نے میر گل خان نصیر کی مذکورہ بالا کتابیں پڑھ لی ہیں تو ہوسکتا ہے کہ اُن میں آپ کو تنقیدی نقطہ نظر آئے مگر جس طرح تاریخ انتہائی وسیع اور عرق ریزی کا کام ہے اس لئے سب سے پہلے تو اُن تمام بشمول میر گل خان نصیر کو خراج تحسین پیش کرنا چاہئے جنھوں نے اس اہم موضوع پر تحقیق کر کے کتابیں تحریر کی ہیں۔

آج گوگل اور یوٹیوب کا دور ہے۔ جہاں ایک کلک پر پوری دنیا کی معلومات آپ کے سامنے آجاتا ہے اور موجودہ زمانہ میں ہر شخص کتب سے زیادہ انٹرنیٹ سے استفادہ کر رہا ہے ۔ اس طریقے سے ہم مواد کے بدلے نہ صرف معقول رقم حاصل کر لیتے ہیں بلکہ پوری دنیا میں اپنی پہچان بھی کرواسکتے ہیں۔ ہمارے وہ تمام اہل علم اور باہنر افراد نے جنھیں تھوڑی بہت جدید علوم اور سائنس اور ٹیکنالوجی کا علم ہے وہ بلوچ اور بلوچستان کی نہ صرف تاریخ بلکہ ہر موضوع کے کتب کو گوگل کے حوالے کریں۔ تاکہ دنیا کے کسی بھی کونے میں بیٹھا ہوا شخص ہمارے تاریخ اور موجودہ حالات کے متعلق آگاہی حاصل کر سکیں ۔ یہ نہ صرف تجویز ہے بلکہ یہ فرض عین ہے کہ ہم اپنی تمام تر صلاحیتوں اور وسائل کو استعمال کر کے بلوچ اور بلوچستان کو ڈیجیٹلائزیشن کے دور میں شامل کریں۔ اس طرح یہ صدیوں تک محفوظ رہنے والا اور مستند کام بھی ہو گا۔

Reference:

[i] Abdul Saboor Baloch, Versaa Naseeriyat, (Quetta: Balochi Academy, 2005), 249

[ii] Gul Khan Naseer, Karwan ke sath, Muratteb: Dr. Shah Muhammad Marri (Quetta: Gul Khan Naseer Chair Jamia Balochistan, 2015), 10

[iii] Noor Muhammad Sheikh, Mir Gul Khan Naseer, Shakhseyat, shairi awr siyasat,Poetry, (Karachi: Awami Adabi Anjuman, 1993), 72

[iv] Abdul Saboor Baloch, Versaa Naseeriyat,252

[v] Yar Jan Badini / Tahir Hakeem Baloch, Mir Gul Khan Naseer: Shakhsiyat Aur Funn, (Quetta: Balochi Labzanki Deewan, 2004), 59

[vi] Zahid Hussain Dashti / Hamid Ali Baloch, Mir Gul Khan Naseer: Shair,Murakh, Sahafi, seyasatdan, (Quetta: Mir Gul Khan Naseer Chair Jamia Balochistan, 2015), 18-19

[vii] Abid Mir, Naseer Khush Kalam (Mir Gul Khan Naseer Chair Jamia Balochistan, 2015), 62

[viii] Yusuf Aziz Gechki, Chirk, (Quetta: Brahui Adabi Society Pakistan, 2021),126

[ix] Abdul Saboor Baloch, Versaa Naseeriyat,313

[x] Gul Khan Naseer, kitabcha: Qomi seminar Sadd Sala Taqreeb, Quetta: Mir Gul Khan Naseer Chair Jamia Balochistan, 2015), 9-10

[xi] Yar Jan Badini / Tahir Hakeem Baloch, Mir Gul Khan Naseer: Shakhsiyat Aur Funn,82-83

[xii] Gul Khan Naseer, Tarikh e Balochistan, Jeld 1, (Quetta: Qalat Publisher, 2000), Debacha

[xiii] Yar Jan Badini / Tahir Hakeem Baloch, Mir Gul Khan Naseer: Shakhsiyat Aur Funn, 55

[xiv] Abdul Saboor Baloch, Versaa Naseeriyat,324

[xv] Gul Khan Naseer, Tarikh Khawaneen e Qalat,(Quetta: Nisa Traders Jinnah Road, 1984),3

[xvi] Gul Khan Naseer, Tarikh Khawaneen e Qalat, 9-10